اِتمامِ نعمت

سیّد ریاض الحسن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

علمِ اجتماعیات (SOCIOLOGY) میں یہ امر مسلّم ہے کہ جب ایک سوسائٹی اِس قابل ہو جاتی ہے کہ اُس میں تمام شعبہ ہائے حیات قائم ہو جاتے ہیں تو اُس کے بعد وہ معاشرہ ارتقاء کی جتنی منازل چاہے طے کر جائے، اُس میں پیچیدگی (COMPLEXITY) تو آ سکتی ہے۔ اور کوئی اجتماعی امر (SOCIAL TRAIT) نئی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ اُس میں کوئی ایسی بات جنم لے جس کی نظیر شروع میں موجود نہ ہو۔ ریلف لنٹن (RALPH LINTON) نے دی سٹڈی آف مین (THE STUDY OF MAN) میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

البتہ نظائر کی تلاش کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرنِ اوّل کا اصولی ریکارڈ (FUDAMENTALS) نہیں بلکہ من وعن ریکارڈ (CONCRETE RECORD) سامنے موجود ہو۔ علامہ اقبال نے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (RECONSTRUCTION OF RELIGIOS THOUGHT IN ISLAM) میں لکھا ہے کہ محدثین نے اسلام کے ابتدائی زمانے کے من وعن (CONCRETE) کا تصور محفوظ کر کے نہایت ہی گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سلسلۂ وحی ختم کر دینے میں بھی یہی حکمت ہے کیونکہ جو معاشرہ آپ کی رہنمائی میں قائم ہوا اس میں عمرانی، معاشی، سیاسی شعبہ ہائے حیات مکمل طور پر قائم ہو چکے تھے اور آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے قائم کیے ہوئے معاشرے کا مکمل نقشہ محفوظ ہے تو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے وہ ہر لحاظ سے جامع اور مکمل ہوگا لہذا آسمانی ہدایت کی اب مزید ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

چونکہ ہر سوال کا جواب ہمیشہ کے لیے موجود ہونے کے لیے ضروری تھا کہ ہدایت واضح صورت (CONCRETE FORM) میں محفوظ ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید وقتاً فوقتاً موقع ومحل کے

لحاظ سے نازل فرمایا تاکہ نزول اور شانِ نزول ہر آنے والے موقع کے لیے راہنمائی کا سبب بن سکیں۔ ملا علی قاری نے مرآۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں لکھا ہے کہ قرآنِ پاک کا اپنے بارے میں جو تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (کہ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے) کا دعویٰ ہے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اجتہادات تمام کے تمام قرآن کی روشنی میں ہوتے تھے اور قرآنی احکام کے منشاء و مفہوم کی تعیین آپ کے عمل ہی سے متعین ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دونوں مل کر ہر بات کے جواب، ہر مشکل کے حل اور ہر گمراہی کے لیے ہدایت کا ہر عہد اور ہر جگہ کے لیے ہر لحاظ سے کامل اور جامع سرمایہ مہیا کرتے ہیں۔

قرآن سے استدلال قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر بالوضاحت موجود ہے کہ اللہ کی شریعت ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لیے یہ ہدایت مہیا نہ کرتی ہو۔ ہم صرف چند دلائل پر اکتفا کریں گے۔

ا- اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ - "اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ حکم کی بھی۔ اور اگر تمہارے مابین کسی بات پر نزاع واقع ہو جائے تو اُسے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف لوٹاؤ۔"

یہاں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اولوالامر بذاتِ خود اطاعت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ اُن اُمور میں اُن کی اطاعت کی جائے گی جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ہوں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ واجب الاطاعت ہرگز نہیں۔ پھر آگے فرمایا گیا ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ۔ اور اگر تم میں اور اولوالامر میں کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جائے تو اُس کا حکم اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی روشنی میں تلاش کرو۔ یہ خطاب ہر عہد اور ہر جگہ کے مسلمانوں کو ہے اور اس میں اس بات کا دعویٰ ہے کہ جس بات سے متعلق بھی اختلاف رونما ہو گا اُس کے بارے میں شریعت میں حکم موجود ہو گا، ورنہ اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا حکم بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

ب- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً "اے ایمان والو اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔"

اس آیت سے ہم پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر عہد اور ہر جگہ کے مسلمانوں کی زندگی پر اسلام مکمل طور پر محیط ہے۔ کیونکہ داخل اُسی چیز میں ہوا جا سکتا ہے جو احاطہ کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور مکمل طور پر اُسی چیز میں داخل ہوا جا سکتا ہے جو مکمل طور پر گھیر سکتی ہو۔ لہٰذا یہ بات قرآن کریم کی رُو سے بالکل باطل ہے کہ شریعت ہمہ گیر نہیں اور بعض معاملات میں خاموش ہے۔ بلکہ قرآن مجید تو اس پر زور دے رہا ہے کہ یہ جملہ امور پر محیط ہے۔

ج۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ "اے نبیؐ، تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ آپؐ کو اپنے ہر تنازعہ میں اپنا حکم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ آپؐ کریں اس کے بارے میں اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور تسلیم کر لیں جیسے تسلیم کرنے کا حق ہوتا ہے"۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بات بھی جو مُتنازع فیہ ہو اُس میں آپؐ کو حَکَم بنایا جا سکتا ہے، ورنہ آپؐ پر فیصلہ چھوڑنے کا حکم دینا ہی غلط ہے۔ اور پھر آپؐ کے ارشادات کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دینے کے حکم نے خود بینی و آزادی کی ذرّہ برابر بھی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ایک مسلمان اسلام میں داخل ہونے سے پہلے تو اپنی رائے اور عقل استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن جب وہ اسلام کے شہر میں داخل ہو جائے تو پھر ذاتی رائے اور آزادی کی گٹھڑی دروازے پر ہی رکھ جائے، ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں، اسے ہر معاملے میں حکم شریعت معلوم کر کے اُس پر چلنا ہوگا:

آزمودم عقل دُور اندیش را

بعد ازیں مستانہ سازم خویش را

د۔ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں عمدہ نمونہ موجود ہے"۔

یہاں بھی ہر عہد اور ہر جگہ کے لوگوں کو ارشاد ہے تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ کی زندگی ایک کامل نمونہ ہے۔ صرف یہی نہیں کہا کہ نمونہ ہے بلکہ ساتھ "حسنۃ" بھی فرمایا ہے اور حسن کے لیے ضروری ہے کہ کامل ہو، کیونکہ ناقص حسین نہیں ہو سکتا۔ حسن کے لیے ضروری ہے کہ ہر کمی اور عیب سے پاک ہو۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہر انسان کے لیے مکمل نمونہ ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہ بعض معاملات میں نمونہ ہے اور بعض میں نہیں۔

۷ ۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ "کیا ٹھہرا لیے ہیں اُنہوں نے شریک جنہوں نے اُن کے لیے ایسی شریعت سازی کی ہو جس کا اللہ نے کوئی اذن نہیں دیا"۔

اس آیت میں شریعت سازی کو شرک قرار دیا گیا ہے جو سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ شریعت کسی گوشہ سے متعلق بھی خاموش نہ ہو۔ کیونکہ اگر شریعت میں حکم موجود نہ ہوگا تو انسان خود بنائیں گے اور شرک میں مبتلا ہو جائیں گے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شریعت جس کا اوّلین مقصد توحید کی دعوت اور شرک کا قلع قمع ہو وہ خود ہی شرک کے لیے گنجائش پیدا کر دے۔

حدیث سے استدلال | ۱ ۔ من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهو رد (بخاری و مسلم) جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہماری طرف سے ثبوت موجود نہیں ہے تو وہ مردود ہے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی نے ایسے وہم و گمان کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ کوئی ایسا امر بھی ہو سکتا ہے جس پر شریعت کا حکم موجود نہ ہو۔ کیونکہ جو کام بھی دلیل شرعی کے بغیر کیا جائے گا غلط اور غیر مقبول ہوگا۔

قال القاضی: المعنی من احدث فی الاسلام رأیاً لم یکن له من الکتاب و السنة سند ظاهر او خفی، ملفوظ او مستنبط فهو مردود علیه ۔ من عمل عملاً، ای من ای شیءٍ من الطاعات او بشیءٍ من الاعمال الدنیویة و الاخرویة، سواء کان محدثاً او سابقا علی الامر، لیس علیه امرنا، ای وکان من صفته انه لیس علیه امرنا بل اتی به علی حسب هواه، فهو رد، ای مردود غیر مقبول ۔ فهذه الروایة اعم و هذا الحدیث عماد فی التمسک بالعروة الوثقی و اصل فی الاعتصام بحبل الله الاعلی، و رد للمحدثات و البدع و الهوی ۔ (مرقاة شرح مشکوة ج ۱ ص ۲۱۵)

والاتباع کما یکون فی الفعل یکون فی الترک ۔ فمن واظب علی ما لم یفعل الشارع صلی الله علیه وسلم فهو مبتدع لشمول قوله صلی الله علیه وسلم من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهو رد (مواهب لطیفه شرح مسند ابی حنیفه بحث تلفظ بالنیة)

" اتباع جیسے فعل میں ہے اسی طرح ترک میں بھی ہے سو جس نے ایک فعل پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ مبتدع ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا

امر نہیں تو وہ مردود ہوگا۔"

اور علامہ سید جمال الدین فرماتے ہیں:

ترکہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ کما ان فعلہ سنتہ (الجنۃ لاصحاب السنۃ ص ۱۴۳)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز اور کام کو ترک کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آپ کا فعل سنت ہے۔"

مخالف و مطابق کی تفریق یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جن باتوں سے شریعت کے کسی حکم کی مخالفت لازم نہ آتی ہو ان کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جائز ہیں۔ یہ نظریہ بھی اسی مفروضے پر مبنی ہے کہ بعض معاملات کے بارے میں شریعت کے احکام موجود ہیں اور بعض کے بارے میں موجود نہیں، جو سراسر گمراہی ہے۔ کہنا دراصل یوں چاہیے کہ ہر وہ عمل جو شریعت کے احکام کے مطابق نہیں مردود ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ جو سنن ابوداؤد میں مذکور ہیں وہ اس خیال کی بالکل جڑ ہی کاٹ دیتے ہیں: من صنع امراً علی غیر امرنا فھو رد۔ یعنی جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کی وجہِ جواز شریعت کے علاوہ کوئی اور دلیل ہو وہ مردود ہے"۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کی اجازت بالکل نہیں کہ اپنی رائے اور خواہش کے مطابق قدم اٹھانے سے پہلے صرف اس قدر اطمینان ہی کافی ہے کہ کوئی واضح نہی موجود نہیں، ایسا کرنا ہوا و ہوس کے دروازے کو کھولنا ہوگا، اور اسلام جس سپردگی کا تقاضا کرتا ہے اس سے رُوگردانی کا موجب ہوگا۔ کسی واضح نہی کی عدم موجودگی میں بھی ہر قدم اٹھانے سے پیشتر شریعت سے اجازت طلب کرنا ہوگی اور شریعت کے علاوہ کوئی بیرونی جذبہ اگر کسی فعل پر آمادہ کرے تو اس سے اجتناب کرنا ہوگا۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں دارمی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق اپنے عمّال کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ ہر بات کو پہلے اللہ کی کتاب میں تلاش کرو اگر وہاں اس کی صراحت نہ ملے تو سنّتِ نبوی میں تلاش کرو اور اگر وہاں سے نہ تو کوئی صراحت ملے اور نہ کوئی دلالت ملے تو اس کام سے توقف کرو۔

ب۔ یا ایھا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابداً کتاب اللہ وسنۃ نبیہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (مستدرک حاکم) "اے لوگو میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑا تو تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک کتاب اللہ، اور دوسری سنّت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)"

یعنی اگر کتاب وسنّت کو مضبوطی سے پکڑے رکھو تو گمراہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حدیث میں

ضلالت کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔ ضلالت کے معنی اصل راستے کے علاوہ کسی دوسرے راستے پر چلنے کے نہیں ہوتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصل راستے کا واضح علم موجود نہیں لیکن اس کی تلاش ہے۔ قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے ووجدك ضالاً فهدىٰ کہ پایا آپؐ کو صحیح راستے کا متلاشی پس وہ آپؐ کو بتلا دیا۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب وسنّت کی موجودگی میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی وقت ایسا آجائے یا کوئی صورت حال ایسی پیش آجائے جس کے بارے میں واضح ہدایت موجود نہ ہو کیونکہ واضح ہدایت کی عدم موجودگی کا دوسرا نام ضلالت ہے۔ پس شریعت بنی نوع انسان کے لیے اس قدر محیط ہے کہ اُن کو زندگی کے ہر موڑ پر رستہ دکھاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ اسی لیے تو کفار اُن کو ازراہ تمسخر کہا کرتے تھے کہ تمہارا پیغمبر تمہیں پیشاب وغیرہ کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے؟ صحابہ کرامؓ کہتے: ہاں، بالکل۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ کا مطلب

بعض لوگ دینی اور دنیوی امور کی گمراہ کُن تعریف کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی فعل ہو اس کے بارے میں شریعت میں حکم موجود ہو گا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ انسانی افعال و اعمال کی یہ تقسیم کہ کچھ دینی ہوتے ہیں اور کچھ دنیاوی ایک مہمل اور بے سر و پا تقسیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت و اتباع کو اس طرح بالکل تقسیم نہیں کیا اور جہاں جہاں اس کا حکم دیا ہے بالکل مطلق اور غیر مقید ہے اور کہیں اس تقسیم کی اجازت نہیں دی۔ اللہ کے رسولؐ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کے رسولؐ تھے۔ یہ نہیں کہ رسالت اور نبوت ایک کیفیت اور حالت تھی جو اُن پر طاری ہوتی تھی اور اُس کے بعد وہ رسول نہیں رہتے تھے۔ بلکہ رسالت ان کی ایک صفت تھی جس سے وہ ہر وقت متصف رہتے تھے۔ چلتے پھرتے، میدانِ جنگ میں اور اپنے گھر میں، ہر حالت میں وہ اللہ کے رسول تھے، واجب الاتباع تھے، اور اُن کا ہر فعل اور ہر قول اُمت کے لیے نمونہ ہے۔ سورۃ احزاب میں ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا "کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ جب کسی بات کا فیصلہ کر دے تو اس کے لیے اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا"۔

اب اس آیت میں سب امور میں اطاعت کا حکم دیا گیا ہے یہ نہیں کہا گیا کہ فلاں قسم کے امور میں اطاعت ضروری ہے اور فلاں قسم کے اُمور اس سے مستثنیٰ ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں ایسی کسی قسم کی تقسیم کا وجود نہیں تھا۔ وہ آپؐ کے ہر حکم کو واجب الاطاعت سمجھتے تھے خواہ وہ زندگی کے کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہو۔

ہاں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں ہمیں غور و فکر کرنے اور اپنی آزادی استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن ہم بذاتِ خود اس کے حدود متعین کرنے کے مجاز نہیں ہیں بلکہ اس فرق کو معلوم کرنے کا ذریعہ بھی یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تصریح ہو سکتی ہے یا پھر وہ اصولِ شریعت جو آپ کی دی ہوئی تعلیمات سے مستنبط ہوں۔

مثلاً بُریرہؓ ایک لونڈی تھیں، جب وہ آزاد ہوئیں تو جیسا کہ آزاد ہونے پر ہر غلام اور لونڈی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ نکاحِ سابق کو برقرار رکھے یا توڑ دے تو انہوں نے اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خاوند قیس سے نکاح ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ قیس ان کے پیچھے پیچھے روتا ہوا بھاگ رہا تھا کہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ نے بریرہؓ سے قیس کے پاس لوٹ جانے کو کہا تو بریرہؓ نے پوچھا کہ یہ آپؐ کا حکم ہے یا محض سفارش؟ آپؐ نے فرمایا حکم نہیں ہے۔ تب بریرہؓ نے اپنا اختیار استعمال کیا۔ یہاں بریرہؓ کو اگرچہ آپؐ کا ارشاد آپ کی تعلیمات سے ہٹ کر نظر آیا پھر بھی اُنھوں نے اس بات کی وضاحت آپؐ ہی سے کرا لی کہ کہیں یہ حکم تو نہیں۔ یہ نہیں کیا کہ از خود ہی امتیاز قائم کر لیا ہو۔ اور جو اختیار انہوں نے استعمال کیا وہ آپؐ ہی کا دیا ہوا تھا۔ اِسی طرح جنگِ بدر کے موقع پر آپؐ نے ایک جگہ خیمہ نصب کیا تو حضرت حباب بن المنذرؓ کو جنگی تدبیر کے اعتبار سے ذہن میں اختلاف پیدا ہوا۔ اس لیے پہلے انہوں نے آپؐ سے دریافت کر لیا کہ آپؐ کا یہ اقدام وحی کی روشنی میں ہے یا محض ایک تدبیرِ جنگ؟ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی یہ فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں بات آپ ایک دینی حکم کے طور پر نہیں فرما رہے بلکہ محض ایک ذاتی مشورہ دے رہے ہیں جیسا کہ تابیرِ نخل کے معاملہ میں آپؐ نے فرما دیا:

انما انا بشر، اذا امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم من رایی فانما انا بشر۔ انما بہ ظننت ظنا فلا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم من اللہ شیئاً فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ ۔۔۔ انتم اعلم بامر دنیاکم۔ (صحیح مسلم) "میں بھی ایک انسان ہوں۔ جب میں تم کو تمہارے دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اسے مانو اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو بس میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ میں نے اندازاً ایک بات کہی تھی۔ تم میری ان باتوں کو نہ لو جو گمان اور رائے پر مبنی ہوں۔ ہاں جب میں خدا کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اسے لے لو۔ اس لیے کہ میں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھا۔ تمہیں اپنے دنیوی معاملات کا زیادہ علم ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تابیرِ نخل (کھجور کا پیوند) لگانے کے متعلق کچھ لوگوں نے سوال کیا۔ آپ نے اُن کو اس فعل سے روکا جس کے نتیجے میں اس سال پھل نہیں آئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتِ حال کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا تم اپنے دُنیاوی معاملات سے زیادہ واقف ہو۔

واقعات (FACTS) کا مشاہدہ کرنا اور اُس مشاہدہ سے معلومات حاصل کرکے اُن کے واقعات میں علت و معلول (CAUSE AND EFFECT) کے رشتے دریافت کرنا اور چیز ہے، اور کسی فعل کے بارے میں جائز یا ناجائز ہونے کا حکم لگانا اور ہے۔ پہلی قسم کے اُمور سائنس کا میدان ہیں اور تجربات کہلاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے امور مذہب کا میدان ہیں اور شرعیات کہلاتے ہیں۔ تابیرِ نخل کا واقعہ تجربیات سے متعلق تھا اور آپ کے ارشاد کے بموجب اس کا منصبِ رسالت سے تعلق نہ تھا، البتہ شرعیات (دین) میں آپ کا فرمان ماننا واجب ہے۔

"معاملات میں دو مرتبے ہیں۔ ایک تو تجربیات کہ فلاں کام کیوں کر کریں کہ نفع ہو، زراعت کیونکر کریں کہ غلہ پیدا ہو۔ کھیت کیونکر بونا چاہیے اور تخم ڈالنا کس وقت مناسب ہے کہ فصل اچھی ہو۔ یہ تو تجربیات ہیں۔ دوسرے شرعیات کہ فلاں صورت سے تجارت کرنے میں ربا ہوگا وہ حرام ہے، فلاں صورت میں جائز، یعنی احکام حلت و حرمت، گو امورِ دنیوی ہی سے متعلق ہوں، یہ مسائل ہیں اور شریعت سے ثابت ہیں، اور تابیر تجربیات سے ہے۔" (مولانا اشرف علی تھانوی: دعوات عبدیت)

پروفیسر ابوزہرہ بیمہ کے متعلق اپنی فاضلانہ تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ معاملہ اُمورِ دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: انتم اعلم بامور دنیاکم (تم اپنے دنیوی اُمور کو بہتر جانتے ہو) اس سلسلہ میں اس حدیث سے سند پکڑنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ دین کے احکام کو صرف عبادات کے مخصوص دائرہ تک محدود رکھ کر باقی جتنے فقہی احکام ہیں ان کو حلال و جائز قرار دے دیا جائے۔

اس حدیث کی حقیقی نوعیت کی وضاحت کے لیے عرض ہے کہ اس حدیث کا انطباق عام تشریعی اُمور کو چھوڑ کر صناعت، زراعت اور تجارت کے (تجربی) اُمور پر کیا جائے گا۔ اس حدیث کے پیچھے پڑے رہنے والوں کے لیے مفید ہوگا کہ اس حدیث کے ساتھ ان احادیث کو شمار اور مطالعہ بھی کریں جو معاملات اور اسٹیٹ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور جن پر ایسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے جب کہ اس حدیث کو زراعت

صناعت یا ایسے ہی دوسرے عام یا روزمرہ کے تجربی اُمور تک محدود رکھا جائے۔" (مجلہ "برہان" دہلی مارچ ۶۰ء)

امام مسلمؒ نے تابیرِ نخل کی روایت پر جو باب باندھا ہے اُس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"کتاب الفضائل باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ما ذکره صلی اللہ علیہ وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرأی"

امام مسلمؒ کے "من معایش الدنیا علی سبیل الرأی" کہنے سے اس بات پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ تجربات کے بارے میں آپ کا فرمان دو قسم کا ہو سکتا تھا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بذریعہ وحی مطلع کرے۔ دوسرے یہ کہ آپ محض اپنا ذاتی اندازہ ذکر فرما رہے ہوں۔ اسی لیے حضرت حباب بن المنذرؓ نے آپ کی جنگی تدبیر کے اندازہ کو مزید معلومات بہم پہنچانے سے پہلے دریافت کر لیا کہ کہیں آپ کا اندازہ وحی پر مبنی تو نہیں۔ مگر صلح حدیبیہ ایک جنگی تدبیر تھی جو آپ نے وحی کی روشنی میں اختیار فرمائی تھی۔

کسی صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے اس کے بارے میں تمام تفصیلات اور جزئیات کا معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ان تفصیلات و جزئیات کو بہم پہنچانے کے لیے ہی آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کرتے تھے تاکہ صورتِ حال کے مطابق قدم اُٹھایا جا سکے، اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے شہادت طلب کیا کرتے تھے تاکہ صحیح حالات سامنے آسکیں۔ ان معاملات میں آپ کی معلومات اگر وحی پر مبنی نہ ہوتیں تو آپ کو مزید معلومات بہم پہنچا کر آپ کے اندازہ کو بدلا بھی جا سکتا تھا۔

اور حقائق کے بارے میں تفصیلات اور جزئیات کا علم فراہم کرنا تجربیات کا ایک حصّہ ہے اور سائنس کا جزو لاینفک۔ اس کے بعد ہی دو یا زیادہ حقائق (FACTS) کے مابین علت و معلول کا رشتہ دریافت کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً دو حصّے ہائیڈروجن اور ایک حصّہ آکسیجن گیس ملانے سے پانی بن جاتا ہے۔ لیکن پانی کب طاہر، مطہر یا طہور ہوتا ہے یہ شریعت کا حصّہ ہے۔

۷۔ فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة (مسلم)۔ "بہترین بیان اللہ کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور وہ کام بُرے ہیں جو نئے گھڑ لیے گئے ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

ہر وہ کام جس کی نظیر یا دلیل اللہ کی کتاب یا سنّت رسولؐ میں موجود نہیں بدعت ہے اور اس حدیث کی رو سے ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو کوئی بات کتاب و سنّت پر مبنی ہو گی اور اگر

ایسا نہیں ہے تو پھر بدعت ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی ہے محمود اور مقصود فعل صرف وہی ہو سکتا ہے جس پر شریعت کی کوئی دلیل قائم ہو ورنہ وہ بدعت شمار ہوگا جو کہ گناہِ عظیم ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ (ابن ماجہ) "آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تاوقتیکہ وہ بدعت کو ترک نہ کردے"۔

بدعت کے معنی علامہ مرتضٰے الزبیدی لکھتے ہیں:

کل محدثۃ بدعۃ انما یرید ما خالف اصول الشریعۃ ولم یوافق السنۃ (تاج العروس جلد ۵ ص ۲۷۱) "کل محدثۃ بدعۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو"۔

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

والمراد بالبدعۃ ما احدث مما لا اصل لہ فی الشریعۃ یدل علیہ واما ما کان لہ اصل من الشرع یدل علیہ فلیس ببدعۃ شرعاً وان کان بدعۃ لغۃ (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۳) "بدعت سے مراد وہ چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے۔ اور بہرحال وہ چیز جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دال ہے تو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے اگرچہ "لغۃً" بدعت ہوگی"۔

لہٰذا ہر فعل خواہ وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر وہ بعینہٖ سنتِ رسولؐ میں نہیں پایا جاتا اور نہ شریعت میں اس کی دلیل موجود ہے وہ بدعت ہے۔

بدعت حسنہ وسیئہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کسی فعل یا ترکِ فعل کی نہ تو کتاب وسنت میں بعینہٖ نظیر موجود ہو اور نہ اس پر کوئی دلیل مذکور ہو وہ بدعت اور گمراہی ہے۔ لیکن اگر ایک فعل کی بعینہٖ نظیر سنتِ رسولؐ میں موجود نہیں مگر اس پر کوئی دلیل دلالت کرتی ہو تو اس کو بعض علماء "سنت" کہنے کے بجائے "بدعت حسنہ" کہہ دیتے ہیں۔ یہ تقسیم اُن کے ہاں روا ہے جو سنت کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب وسنت میں اس کی نظیر ملے اور دوسری یہ کہ اس کی نظیر تو میسر نہ آسکے مگر اس کی دلیل ملتی ہو۔ اور جو سنت کی یہ تقسیم نہیں کرتے اُن کے ہاں سنت کی تعریف وہ فعل ہے جس کی دلیل کتاب وسنت میں ملتی ہو۔ یہ لوگ بدعت کی مذکورہ بالا

تقسیم کے بھی خلاف ہیں اور ان کے نزدیک ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔

حافظ ابن حجر تقسیم کے قائل ہیں اور کہتے ہیں:

والتحقیق انما ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی حسنۃ وان کان مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحۃ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۹) "تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت شریعت کی کسی پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہو تو وہ بدعت حسنہ ہوگی اور اگر وہ شریعت کی کسی غیر پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہو تو وہ بدعت قبیحہ ہوگی"۔

قائلینِ تقسیم کے سامنے غالباً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ مسجد میں ایک سے زیادہ جماعتوں کی صورت میں نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سب کو ایک قاری پر جمع کر دیا تاکہ ایک وقت میں ایک مسجد میں ایک ہی جماعت ہو اس کو انہوں نے نعم البدعۃ ہذا کہا ہے کہ یہ ایک اچھی بدعت ہے کیونکہ نماز تراویح ایک ہی جماعت کے ساتھ پڑھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور بخاری شریف میں آتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام کسی دلیل شرعی کے بغیر ہرگز نہیں تھا۔ محمد بن نصر مروزی نے کتاب اللیل میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے:

ان کانت ھذہ البدعۃ فنعمت بدعۃ ھذہ "اگر یہ امر بدعت ہے تو ایک اچھی بدعت ہے"۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور امام مالکؒ تقسیم کے قائل نہیں۔ وہ فرماتے ہیں: "چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند"۔ (مکتوبات حصہ سوم ص ۷۲) "جو چیز مردود ہو اس میں حسن کہاں سے آجائے گا"۔

اور امام مالکؒ ارشاد فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالٰی یقول الیوم اکملت لکم دینکم (الآیۃ) فما لم یکن یومئذٍ دیناً فلا یکون الیوم دیناً (الاعتصام للشاطبی ج ۱ ص ۴۷) "جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی جس کو وہ حسنہ سمجھتا ہے تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی رسالت میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ پس جو چیز اس وقت دین نہ تھی وہ آج بھی ہرگز نہیں ہو سکتی"۔

بدعت کے معاملہ میں شرعیات اور تجربیات کے مابین کوئی واضح خطِ امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا۔ تجربیات

میں مختلف اشیاء و واقعات (FACTS AND THINGS) کے متعلق جزوی و تفصیلی معلومات حاصل کی جاتی ہیں، یا پھر اُن اشیاء و واقعات کے آپس میں علت و معلول (CAUSE AND EFFECT) کے رشتے دریافت کیے جاتے ہیں۔ یہ سائنس اور اُن علوم کی دنیا ہے جو مقاصدِ شریعت میں سے نہیں۔

مثلاً فزکس اور کیمسٹری میں یہ معلوم کرتے ہیں کہ جب کوئی ٹھوس چیز گیس میں تبدیل ہوتی ہے تو حجم میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس رشتے اور اصول کو معلوم کرنے کے بعد وہ اسے بارود بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ علم زراعت میں یہ دریافت کرتے ہیں کہ پیوند کاری، بیج کی اقسام اور کھاد پیداوار پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ سوشیالوجی میں اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ صنعتی ترقی کا خاندانی رشتوں یا جرائم پر کیا اثر پڑتا ہے۔ لسانیات میں ایک زبان کو لکھنے اور بولنے میں جن قواعد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے ان کو مرتب کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

شریعت تجربیات میں اس طرح دخل دیتی ہے۔ کبھی وہ واجب ہیں تو کبھی حرام، کبھی مندوب ہیں تو کبھی مکروہ۔ تجربیات میں جو نئی نئی ایجادات و اکتشافات ہوتے ہیں اُن کو بدعت شمار کر کے امام نووی نے شرح مسلم میں، ابن امیر الحاج نے مدخل میں اور عزیز الدین بن عبد السلام نے کتاب القواعد میں ان کا واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح ہونا تجویز کیا ہے۔

صرف یہی وہ اُمور ہیں جہاں حالات اور نیت کے مطابق حکم بدل جاتا ہے مثلاً کائنات کے اسرار کا کھوج لگانا واجب ہے۔ اس سے کسی وقت شریعت کے غلبہ اور کفر کے خاتمے کے لیے کام لیا جا سکتا ہے۔ اور بارود اس لیے تیار کرنا کہ کفار کے خلاف جنگ میں استعمال کیا جائے فرض کفایہ ہے لیکن کسی کو ناحق قتل کرنے کے لیے حرام ہے۔

تجربیات جب تک صرف معلومات کی حد تک ہوں تو شریعت کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن جونہی وہ فعال کی صورت اختیار کرتی ہیں شریعت کے حدود میں داخل ہو جاتی ہیں۔

سنّت خلفاء راشدین | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہدایت یافتہ خلفاء الراشدین کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلفاء الراشدین اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق چل سکتے ہیں۔ وہ بھی دیگر افراد اُمت کی طرح کتاب و سنّت کی دلیل کے پابند ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تھا اُس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ میرا جو حکم کتاب و سنّت کے مطابق ہو تم اُس میں میری اطاعت کرو اور جو حکم کتاب و سنّت کے موافق نہ ہو اُس کا تمہارے لیے ماننا

ضروری نہیں۔

ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی پیروی کرنے کا اسی لیے ارشاد ہوا ہے کہ وہ کتاب وسنّت کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن ہوتے ہیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں :

فانھم لم یعملوا اِلّا بسنتی فالاضافة الیھم اما بعملھم بھا او لاستنباطھم و اختیارھم ایاھا (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۰) "اس لیے کہ خلفاء راشدین نے درحقیقت آپ ہی کی سنت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل کیا یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس و استنباط کر کے اس کو اختیار کیا۔"

من سن سنة حسنة | حدیث میں آتا ہے :

من سن فی الاسلام سنة حسنة فعمل بھا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بھا ولا ینقص من اجورھم شیٔ (مسلم) "جس نے جاری کیا اسلام میں طریقہ نیک پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا گیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب لکھا جائے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔"

اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں کوئی نو ایجاد چیز مستحسن ہو سکتی ہے۔ اُمت کا کام سنّت کی پیروی کرنا ہے اُس کو جاری کرنا ہرگز نہیں۔ اس روایت میں من سن فی الاسلام کے بجائے یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ ایما داع دعا الی الھدی۔ "جس داعی نے ہدایت کی طرف دعوت دی" (مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ ابن ماجہ ص ۱۹) - اور اس کے ایک اور طریق کے الفاظ ہیں : من احیا سنة من سنتی قد امیتت من بعدی (مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۳۰) جس نے میری کسی ایسی سنّت کو زندہ کیا جو میرے بعد مُردہ ہو چکی تھی۔" اس روایت کے یہ سب طریقے مل کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سنّت اور طریقہ کا جاری کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کی طرف دعوت دینا، اس کو زندہ کرنا اور خود اس پر عمل کرنا مراد ہے۔

د- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلھا من السنة فتمسك بسنة خیر من احداث بدعة (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۵) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں سنّت اُن سے اُٹھالی جائے گی اس لیے سنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔"

(دیکھیے صفحہ ۳۶)